تعارف و تبصرہ

اساسیات اسلام

مصنف : مولانا محمد حنیف ندوی

ضخامت : ۲۸۴ صفحات

قیمت : دس روپے پچاس پیسے

شائع کردہ : ادارہ ثقافت اسلامیہ ۔ لاہور

'اساسیات اسلام، ملک کے معروف صاحب قلم اور عالم مولانا محمد حنیف ندوی کی تازہ تصنیف ہے جس میں فرد اور معاشرے کے فکری اور تہذیبی مسائل کا تجزیہ اور ان کا حل اسلامی تعلیمات کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے۔ زیر نظر تصنیف مولانا موصوف کی طباعی، ذہانت ، وسعت مطالعہ اور گہرے غور و فکر کی غماز ہے۔ انھوں نے عصر حاضر کے مسائل کو معروضی انداز سے سمجھنے اور سمجھانے کی پرخلوص اور سنجیدہ کوشش ایک خوش فکر عالم دین کی حیثیت سے کی ہے۔

عصر جدید، سائنس اور ٹیکنالوجی کی محیرالعقول ایجادات، تسخیر خلا، علم وتحقیق کی وسعتوں اور ذہن انسانی کی فتح مندیوں کا عہد ہے۔ اس عہد میں بے پناہ الجھے ہوئے اور پیچیدہ مسائل بھی عالم انسانیت کے لئے پیدا ہوگئے ہیں۔ سیاسی، اقتصادی اور سماجی مسائل کا ایک وسیع سلسلہ ہے۔ کچھ قومیں بے پناہ دولت و طاقت حاصل کر کے بے جا پندار کی خوگر ہو گئی ہیں، ان کے پاس مہلک ہتھیار، پیچیدہ سیاست اور خطرناک استعماری عزائم ہیں، اور بہت سی قومیں احساس کمتری، خوف و ہراس، ذلت و پسماندگی اور تقلید و بے چارگی کی قابل رحم حالت میں مبتلا ہیں، اس پس منظر میں

جدید مسائل کو ایک مسلمان، اسلام کے نقطہ نظر سے سمجھنا چاہتا ہے اور اپنے لئے ایک لائق عمل حل متعین کرنا چاہتا ہے۔ مولانا ندوی کی یہ کتاب انہی سوالوں کے جواب کی کوشش ہے۔

سائنس اور علوم و فنون کی جدید ترقیات کا مرکز مغربی ممالک ہیں، اس باب میں باقی دنیا بہر نوع ان کی خوشہ چین ہے۔ بدقسمتی سے یورپ میں علوم کی نشاۃ ثانیہ کے علمبرداروں کو عیسائی پادریوں اور ان کی ہم نوا حکومتوں نے اپنے خوفناک جور و ستم اور عقوبت و تعذیب کا ہدف بنایا، اور عیسائی پادری جو اپنے توہمات اور مزعومات کو عین مذہب خیال کئے بیٹھے تھے، جدید علوم اور تحقیقات کو اپنی خرافات کے مطابق نہ پاکر سرے سے علم و سائنس ہی کے دشمن بن گئے اور ایک انتہائی غلط، نامعقول اور بے محل جنگ چھیڑ دی۔ بالآخر علم کو توہم پرستی، جہالت اور ڈھکوسلے پر فتح حاصل ہوئی اور یورپ میں علم و سائنس نے صنعتی انقلاب پیدا کر کے ایک نئی دنیا بنا ڈالی۔ یورپ میں کلیسا اور علم و تحقیق کے تصادم نے ذہنوں میں یہ غلط بات بٹھادی کہ مذہب ہر حال میں علم و تحقیق اور سائنس و ایجاد کا دشمن ہے۔ اس غلط خیال کا پروپیگنڈا کچھ اس زور شور سے ہوا کہ آج بے شمار لوگ بغیر سوچے سمجھے یہ خیال کرنے لگے ہیں کہ مذہب ترقی اور علم و ایجاد کا دشمن ہے اور کوئی قوم یورپی اقوام کی طرح مذہب کو کلیۃً عملی زندگی سے خارج کئے بغیر ترقی کر ہی نہیں سکتی۔ دنیائے اسلام کی بدنصیبی اور بدقسمتی کہ وہ مغربی سامراج کی صدیوں کی غلامی، اپنے نامعقول سماجی ڈھانچے، غلط اور ابتر سیاسی نظام اور بے روح و غیر فعال دینی و سیاسی قیادت اور صحیح و صحت مند تعلیم کے فقدان کے باعث ہنوز پسماندہ اور زوال آمادہ ہے۔ چنانچہ ہمارے یہاں بھی وہی انداز فکر وجود میں آگئے۔ ایک مغربی تعلیم یافتہ طبقہ جس نے جدید تعلیم کے منفی اثرات کے نتیجے میں یہ سمجھنا شروع کردیا کہ ہماری موجودہ پسماندگی اس وقت تک ختم نہ

ہوگی جب تک کہ ہم فکر و عمل میں مغرب کی مکمل تقلید نہ کریں اور دین کو عملی زندگی سے کلیتہً خارج نہ کر دیں۔ یہ گروہ خود کو جدید بنانے کے شوق میں سرے سے دین اور اس کی مسلمہ اقدار کا ہی قلع قمع کرنے پر تل گیا۔ دوسرا طبقہ جو روایتی دیندار بھی تھا اس تصور کا حامی بن گیا کہ ہر جدید چیز خلاف دین ہے اور اس پر وقت صرف کرنا ایک بے فیض اور غیر ضروری مشغلہ۔ جدید علوم و افکار اور سائنس و ٹیکنالوجی کے بغیر بھی صدیوں پرانی فقہ اور تصوف کے زاویہ خمول میں زندگی بسر کی جاسکتی ہے۔ ایک گروہ اپنے ظاہر و باطن میں مغرب زدہ بننے پر اس حد تک آمادہ کہ اسے کفر و الحاد اور حرام و ناجائز سے بھی گریز نہ ہو۔ دوسرا مغرب کی ہر شے سے بیزار و متنفر اور زندگیوں کو صدیوں پیچھے لے جانے پر مصر۔ غرض دونوں کے ہاتھوں مسلم معاشرے کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا۔ خدا کا شکر ہے کہ عصر جدید میں احیائے اسلام کی جو متعدد چھوٹی بڑی تحریکیں اٹھیں، کچھ عالم، دانشور اور مصلح اٹھے اور انھوں نے صدیوں کے جمود پر ضرب لگائی اور مسلمانوں کو ذہن نشین کرایا کہ اسلام دین فطرت ہے اور کوئی دین فطرت علم و سائنس یا فکر و ایجاد کے باب میں معاندانہ رویہ اختیار کر ہی نہیں سکتا۔ دنیائے اسلام کے زوال کا سبب اسلام نہیں، اسلام سے انحراف ہے۔ دین کی اصلی اقدار اور اس کے عقائد زندہ و تابندہ ہیں، اس کی تعلیمات اس کے افکار آج بھی حسن کردار اور حسن عمل کے اس دلآویز سانچے میں انسانی معاشرے کو ڈھال سکتے ہیں جو عدل و حریت، اخوت و مساوات، لطف و کرم، خدمت و عمل، احسان و ایثار کو مخلصانہ طور پر اختیار کرنے کے نتیجے میں لازماً پیدا ہوتا ہے۔ اسلام علم و فن اور سائنس و ایجاد کی تازہ کاریوں کی سب سے بڑھ کر حوصلہ افزائی کرتا اور انہیں فلاح انسانیت اور عالم گیر انسانی برادری کی خدمت کے لئے وقف کر دینے کی ترغیب دیتا ہے۔ مولانا محمد حنیف ندوی کی زیر نظر کتاب اسی نقطۂ نظر کو پیش کرتی ہے

انھوں نے نہایت ژرف نگاہی کے ساتھ عصر جدید کے مسائل پر روشنی ڈالی ہے۔ افراط و تفریط دونوں سے صرف نظر کرتے ہوئے نہایت معتدل، غیر جذباتی مگر موثر اور حکیمانہ انداز میں اسلام کی اساسیات کو ذہن نشین کرانے کی سعی کی ہے، ان کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ جدید سائنس، جدید علوم، ایجادات، جمہوری اور سماجی ادارے جن سے یہ عہد عبارت ہے، انھیں اصلاح و ترمیم یا ان کے مقصد و منہاج میں گونہ تبدیلی پیدا کرکے اختیار کیا جاسکتا ہے۔ البتہ ان ثقافتی مظاہر کو ہم اختیار نہیں کرسکتے جو نفس پرستی اور ہوسناکی کی پیداوار ہیں مثلاً رقص، مجسمہ سازی اور موسیقی وغیرہ۔ ابلاغ کے ذرائع صحافت، ریڈیو، ٹیلیویژن جیسے غلط مقاصد کے لئے استعمال کیا جارہا ہے، مسلم معاشرہ انھیں صحت مند رجحانات اور اصلاحی و تعمیری مقاصد کے لئے استعمال کر سکتا ہے، مولانا کے نزدیک موجودہ حالات میں جمہوریت ایک لائق ترجیح طرز حکومت ہے اور اسے مسلم ممالک میں اختیار کیا جانا چاہئے۔ عورتوں کو عملی زندگی میں حصہ لینے کے مناسب مواقع ملنے چاہئیں اور مملکت کے جملہ افراد کی معاشی ضرورتیں وقار اور عزت کے ساتھ پوری ہونی چاہئیں اور ظلم و استحصال کی ہر صورت کا خاتمہ ہونا چاہئے۔ کتاب نہایت عمدہ اسلوب میں لکھی گئی ہے۔ تعمیر فرد کی بحث ہو یا حیات و کائنات کے قدیم و جدید تصورات پر اظہار خیال، فلسفۂ وجودیت کا تذکرہ ہو یا حیات بعدالممات پر عقلی گفتگو، نظریۂ توحید کی آفاقیت اور ہمہ گیری اور توحید کے حیات آفرین تصور کا بیان ہو یا نماز اور اسلامی ذوق عبادت کی نفسیاتی اہمیت کا اظہار (جو عام سطح سے بالکل بلند ہوکر کی گئی ہے) یا اسلام کے تصور ثقافت اور اس ضمن میں جملہ فنون جمیلہ کے خوب یا ناخوب پر خامہ فرسائی ہو۔ اسلام کے سیاسی نظام کی تشریح ہو یا اقتصادیات میں اسلام کے موقف کی توضیح ہو۔ اسلام کے نظریۂ اخلاق پر روشنی ڈالی گئی ہو یا دوسرے حکماء و فلاسفہ کے اخلاقی تصورات پر اظہار خیال ہو۔ مصنف نے دلآویز گفتگو کی ہے۔ مختلف

وارد ہونے والے اعتراضات کے جوابات دئے ہیں اور بعض بظاہر متضاد و متصادم خیالات میں مطابقت کی صورت پیدا کی ہے۔

ضروری نہیں کہ مصنف کی ہر رائے سے اتفاق ہی کیا جائے اور جو کچھ انھوں نے لکھ دیا ہے اس پر بحث و نظر کی گنجائش نہ ہو۔ مصنف کی یہ رائے کہ اشتراکیت کی اقتصادی روح کو اسلامی سانچے میں ڈھالا جاسکتا ہے یا آیندہ چل کر اشتراکیت اور دین میں اتحاد ابھر کر رہے گا (ص ۲۰۷) قطعاً محل نظر ہے۔ بایں ہمہ کتاب عقلیت، منطقی انداز فکر اور روشن خیالی پیدا کرنے کی ایک کوشش ہے اور ہمارے تعلیم یافتہ طبقے کو دعوت مطالعہ دیتی ہے۔ جدید تعلیم یافتہ افراد کو یہ کتاب اسلام کی اساسیات اور اس کے بنیادی فلسفہ سے روشناس کرائے گی اور عربی درسگاہوں کے طلبہ کو جدید افکار و مسائل پر غور و فکر کی استعداد بخشے گی اور وہ عصر حاضر کے پر پیچ مسائل پر حقیقت پسندانہ بالغ نظری سے سوچنے کے قابل ہو سکیں گے۔

(انیس احمد اعظمی)